ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

آزادیِ اختیار و ارادہ اور جاہلی عرب

انسان اپنے اختیار و ارادہ میں آزاد ہے یا مجبور؟ آزادی اور مجبوری کے حدود کیا ہیں؟ اپنے اعمال کے لیے وہ کس حد تک ذمہ دار ہے؟ ایسے سوالات ہر ملک اور ہر تہذیب میں اٹھتے رہے ہیں اور ان کا اٹھنا فطری ہے۔ ہر قوم میں ان سوالات کے متعلق کوئی فکر، کوئی عقیدہ، کوئی فلسفہ یا تخیل ضرور ہی موجود رہا ہے۔

عرب بھی ان سوالات سے نا آشنا نہ تھے۔ ان کے بارے میں انھوں نے بھی اپنے احساسات و تاثرات ظاہر کیے ہیں۔ مگر ان تاثرات کی بنیاد پر انھوں نے کوئی نظریہ نہیں پیش کیا، کوئی فلسفہ تشکیل نہیں دیا۔ زندگی کے بنیادی مسائل میں ان کا فکر عام طور پر ابتدائی مراحل سے آگے نہیں بڑھتا۔ کسی مسئلہ پر باضابطہ غور و فکر، تشریح و تنقید ان کا دستور نہیں تھا۔ ایک ہی مسئلہ میں ان کے ہاں مختلف اور متضاد خیالات ملتے ہیں۔ ان خیالات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا، ان کے درمیان اختلافی نکات دریافت کرنا، اور ان کو رفع کر کے ایک مربوط اور ہم آہنگ نظریہ تشکیل دینا عربوں کی عام ذہنی رسائی سے بلند تر بات تھی۔

جبر و اختیار اور اخلاقی ذمہ داری سے متعلق ان کے ہاں مجبوری محض، تقدیر پرستی، آزادئ اختیار و ارادہ اور فعالیت کے مختلف رجحانات ملتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک رجحان کو عربوں کا عمومی رجحان کہنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ یہ سارے رجحانات ان کی زندگی میں یکساں نمایاں تھے۔ ذیل کے صفحات میں ہم یہ متعین کرنے کی کوشش کریں گے کہ کونسا رجحان عربوں میں غالب اور عام تھا اور دوسرے رجحانات کو کیا مقام حاصل تھا۔

عرب ایک واضح حقیقت کے معترف تھے۔ دنیا میں جو واقعات و حوادث پیش آتے ہیں ان میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اگرچہ انسان کی زندگی پر بے حد اثر انداز ہوتے ہیں لیکن ان کا کوئی

تعلق انسان کے علم و ارادہ سے نہیں ہوتا۔ مثلاً ارضی و سماوی تغیرات جیسے بارش، خشک سالی، گرمی کی لو، جاڑوں کی شدید ٹھنڈک۔ اسی طرح بہت سے حوادث ایسے ہوتے ہیں جن میں انسان کا ارادہ غیر موثر ہوتا ہے، جیسے پیدائش اور موت۔ دنیا میں ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں جن میں بسا اوقات ایک فرد، ایک خاندان، یا ایک قبیلہ تنہا اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ انسان انھیں خود اختیار نہیں کرتے، وہ انسان پر مسلط کر دیے جاتے ہیں، مثلاً لڑائیاں، جنگیں، جھگڑے اور فساد۔

ان واقعات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن کا وقوع انسان کے علم و ارادہ سے بالکلیہ آزاد اور غیر متعلق ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جو اگرچہ انسان کے علم و ارادہ کے بغیر نہیں ہوتے لیکن اس کی خواہش کے علی الرغم ہوتے ہیں۔ جن میں کسی فرد یا خاندان کی قوت تمیز و اختیار موثر نہیں ہوتی۔ ان واقعات و حوادث کی توجیہہ کے سلسلے میں عرب بالعموم تین طرح کے الفاظ و تصورات کا سہارا لیتے ہیں:

(الف) قدر، مقادیر اور ان سے مشتق یا ان کے ہم معنی الفاظ۔

(ب) دہر، زمان، ایام و لیالی اور مماثل الفاظ

(ج) اللہ، الہ، رحمٰن، ملائکہ اور دوسرے اسماء حسنیٰ

عرب شعرا واقعات۔ حوادث کی توجیہہ و تعلیل کے لیے کبھی ایک طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور کبھی دوسری، اور کبھی تیسری طرح کے۔ اور کبھی ایک ہی نظم یا ایک ہی شعر میں مختلف طرح کے الفاظ ایک ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

لبید کہتا ہے:

(الف) ۱۔ ولا اقول اذا اما ازمة ازمت یا ویح نفسی مما احدث القدر[۵۱]

مجھ پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو میں قدر کی کارروائی پر افسوس نہیں کرتا

(ب) ۲۔ وکذاک الزمان یذهب بالناس وتبقی الرسوم و الآثار[۵۲]

اسی طرح زمانہ لوگوں کو مٹاتا رہتا ہے۔ صرف ان کے آثار و نشانات باقی رہ جاتے ہیں

(ج) ۳۔ لا یستطیع الناس محو کتابہ انی ولیس قضاؤہ بمبدل[۵۳]

انسان خدا کا لکھا ہوا مٹا نہیں سکتے۔ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ خدا کا فیصلہ تو بدل نہیں سکتا۔

۴۔ ان تقوی ربنا خیر نفل — وباذن اللہ ریثی وعجل[۵۴]

ہمارے رب کا تقویٰ بہترین نیکی ہے۔ میری تیزی اور کاہلی اسی کے اذن سے ہے

۵۔ کل شیء احصی کتابا وعلما — ولدیہ تجلت الاسرار[۵۵]

خدا کا علم اور فیصلہ ہر شے پر محیط ہے۔ اور اس کے سامنے سارے راز عیاں ہیں۔

(الف و ج) ۶۔ فما رزقت فان اللہ جالبہ — وما حرمت فما یجری بہ القدر[۵۶]

تجھے جو کچھ رزق ملتا ہے وہ اللہ ہی سے ملتا ہے۔ اور جو نہیں ملتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا ہی مقدر ہو چکا ہے۔

اعشیٰ میمون کے اشعار ہیں:

(ب) ۱۔ ولکن اری الدھر ھو خاتر — اذا اصلحت کفای عاد فافسدا

مگر زمانہ بہت غدار واقع ہوا ہے۔ جب میرے حالات بہتر ہوتے ہیں تو یہ پھر بگاڑ کر رکھ دیتا ہے

۲۔ شباب وشیب وافتقار وثروۃ — فللہ ھذا الدھر کیف ترددا[۵۷]

جوانی اور پیری، غربت اور ثروت! خدا کی قسم یہ زمانہ کس طرح بدلتا رہتا ہے۔

(ج) ۳۔ الارض حمالۃ مما حمل اللہ — وما ان ترد ما فعلا[۵۸]

خدا نے زمین پر جو فیصلہ نافذ کر دیا ہے زمین اس کی پابند ہے اور اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتی

۴۔ تومر ایاسا ان ربی لہ — بید الدھر ولا عزۃ وتکرما

ایاس سے سبقت کرنا چاہتے ہو! میرے رب نے زمانہ کے اثرات سے اس کو محفوظ رکھا ہے اس کی عزت بڑھتی ہی رہے گی۔

۵۔ نماہ الالہ فوق کل قبیلۃ — ابی غالب یابی الدنیۃ اینما

خدا نے اس کو سارے قبیلہ پر فوقیت دی، اور اس کے لیے ذلت پسند نہیں کی، چنانچہ وہ بھی رسوائی سے ہر حال میں بچتا رہتا ہے۔

۶۔ ولو ان عز الناس فی راس صخرۃ —ململمۃ تعی الارح المخدما

اگر انسانی عزت کسی بڑے بھاری چٹان کے تلے دبی ہو جس کا حاصل کرنا بڑی سے بڑی قوت، دولت اور کثیر اعیان و انصار کے مالک کے لیے بھی ممکن نہ ہوتا۔

۷ - لاعطاك رب الناس مفتاح بابها ولولم یکن باب لاعطاك سلماً[۹]

تو خدا تجھے اس کے دروازہ کی کنجی عنایت کرے گا، اور اگر دروازہ نہ ہوگا تو اس تک پہنچنے کے لیے سیڑھی لگا دے گا۔

زہیر بن ابی سلمی المزنی کہتا ہے:

(الف) ۱ - من هاب اسباب المنایا ینلنه وان یرق اسباب السماء بسلم[۱۰]

جو موت سے ڈرتا ہے اس کو موت آکر رہتی ہے۔ خواہ وہ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ ہی کیوں نہ جائے

(ب) ۲ - یا دهر قد اکثرت فجعتنا بسراتنا وقرعت فی العظم

اے دہر! تو نے ہمارے رؤسا کو ہلاک کر کے ہم پر بڑا ظلم کیا اور ہماری کمر توڑ دی۔

۳ - وسلبتنا ما لست معقبه یا دهر ما انصفت فی الحکم[۱۱]

تو نے ہم کو جس سے محروم کر دیا اس کا بدل تو نہیں دے سکتا، اے دہر! تو نے اپنے حکم میں انصاف سے کام نہیں لیا۔

(ج) ۴ - ولیس لمن لم یرکب الحصول بغیة ولیس لرحل حطه الله حامل[۱۲]

جو خطرہ میں اپنے کو ڈالنا نہ چاہے اسے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، اور جو کجاوہ خدا نے اتار دیا ہو اس کو کوئی اٹھا کر رکھ نہیں سکتا۔

(الف و ج) ۵ - والمال ما خوّل الاله فلا بد له ان یجوز قد ر[۱۳]

جو مال خدا نے عطا کیا ہو، قدر اس کو ضرور ہی مہیا کر کے دے گا۔

طرفہ بن العبد البکری کہتا ہے:

(ب) ۱ - اری العیش کنزاً ناقصاً کل لیلة وما تنقص الایام والدهر ینفد[۱۴]

مجھے زندگی ایسا خزانہ دکھائی پڑتی ہے جو ہر روز گھٹتا جاتا ہو اور جس کو ایام اور زمانہ گھٹا ئیں وہ ختم ہو کر ہی رہتا ہے۔

۲ - ستبدی لك الایام ما کنت جاهلا ویاتیك بالاخبار من لم تزود[۱۵]

ایام تجھے وہ کچھ دکھائیں گے جن کی تجھے خبر نہیں، اور تجھے وہ خبریں پہنچائیگا جس کو تو نے خرچ نہیں دیا

(ج) ۳ - فلو شاء ربی کنت قیس بن خالد ولو شاء ربی کنت عمرو بن مرثد

اگر میرا رب چاہے تو قیس بن خالد ہو سکتا ہوں، اور اگر وہ چاہے تو عمرو بن مرثد ہو سکتا ہوں

۴۔ فاصبحت ذا مال کثیر وزارنی   بنون کرام سادۃ لمسود [۱۶]

یعنی میں بڑا صاحب ثروت ہو جاؤں اور مجھے قوم کے شرفا اور منتخب کردہ لوگ سامنے آئیں

عنترۃ العبسی کے اشعار ہیں:

(ب) ۱۔ تعالوا الی ما تفعلون فاننی   اری الدھر لا ینجی من الموت ناجیا [۱۷]

تم جو کچھ کرنا چاہو کر لو، میں تو سارا زمانہ دیکھتا رہا ہوں کہ موت سے کوئی بچ نہ سکا

(ج) ۲۔ فلا تکفر النعمی واثن بفضلھا   ولا تامنن ما یحدث اللہ فی غد [۱۸]

نعمت کی ناشکری نہ کرو اور اس کے بخشے جانے پر حمد و ثنا کرو۔ کل کو خدا کیا کرے گا اس سے غافل نہ رہو۔

۳۔ حرصت علی طول البقاء انما   مبدی النفوس ابادھا لیعیدھا [۱۹]

تو طویل زندگی کا حریص ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ خالق ارواح نفوس کو اس لیے فنا کرتا ہے کہ انھیں پھر لوٹائے۔

۴۔ اذا کان امر اللہ امراً یقدر   فکیف یفر المرء منہ ویحذر [۲۰]

جب خدا کا امر مقدر ہوا کرتا ہے تو انسان اس سے کیونکر گریز کر سکتا ہے اور بچ سکتا ہے

۵۔ ومن ذا یرد الموت او ینفع القضا   وضربتہ محتومۃ لیس تعبر [۲۱]

کون ہے جو موت اور قضا کو ٹال سکے اس کی ضرب پڑ کے رہتی ہے اس سے کوئی مفر نہیں

امرء القیس کہتا ہے:

(د) ۱۔ ولا قبح اللہ البراجم کلھا   وجدع یربوعا وعزدارما [۲۲]

خدا سارے براجم کا برا کرے، یربوع کو ہلاک کرے اور دارم کو عزت بخشے

۲۔ واللہ انجح ما طلبت بہ   والبر خیر حقیبۃ الرجل [۲۳]

خدا تجھے تیرے مقصد میں کامیاب کرے نیکی انسان کے لیے بہترین زاد راہ ہے

۳۔ تلک السحاب اذا الرحمٰن انشأھا   ردّی بھا من محول الارض ایباسا

جب خدائے کریم ان بادلوں کو اٹھاتا ہے تو ان سے زمین کی خشک چیزوں کو سیراب کرتا ہے

۴۔ تلك الموازين والرحمٰن ارسلها   رب البرية بين الناس مقياسا[۲۴]

یہ میزان ہیں، خدائے رحیم اور رب العالمین نے ان کو لوگوں کے درمیان پیمانہ بنا کر اتارا ہے

یہ اشعار عرب کے چوٹی کے شعرا کے ہیں۔ ان کی غیر معمولی مقبولیت اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ ان کی شاعری عربوں کے عام خیالات و رجحانات کی صحیح ترجمان ہے۔ آئندہ بحث میں ہم ان اشعار سے استدلال کریں گے۔ ان سے جو نتائج اخذ کیے جائیں گے ان کے بارے میں اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ عربی فکر کی صحیح تعبیر ثابت ہوں گے۔

ملحدانہ جبریت یا تقدیر الٰہی ـــــ ؟

جاہلی عربوں پر یہ الزام ہے کہ وہ ملحدانہ قسم کی جبریت (Atheistic Determinism) کے قائل تھے۔ اور یہی ان کا عام اور غالب رجحان تھا۔[۲۵] اس دعوے کے دو اجزا ہیں ایک یہ کہ عرب بالعموم جبریت کے قائل تھے اور دوسرا یہ کہ ان کی جبریت خدا کے ارادہ و قدرت کے بجائے غیر خدائی قوتوں کا نتیجہ تھی۔ ہمیں اس دعویٰ کے دونوں اجزا سے اختلاف ہے۔ یہاں ہم دوسرے جز کی تردید کریں گے۔ پہلے جز پر بحث بعد میں آئے گی۔

یہ خیال کہ عرب افعال و حوادث کو کچھ غیر خدائی قوتوں کی کارسازی قرار دیتے تھے دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک یہ کہ عرب عام طور پر واقعات کو قدر اور مقادیر جیسے مجہول تصورات کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ اکثر دہر یا زمان کو افعال و حوادث کا اصل فاعل اور محرک بتاتے تھے۔ اور یہ دونوں تصورات بظاہر خدا کی قدرت اور ارادہ سے آزاد اور غیر متعلق ہیں۔

قدر کے سلسلے میں تین باتیں قابل غور ہیں:

اولاً یہ کہ یہ خیال کہ قدر کا تصور عربوں کا عام اور غالب تصور تھا صحیح نہیں ہے۔ جو لوگ اس خیال کی بنیاد پر عربوں کو ملحدانہ جبریت کا حامی قرار دیتے ہیں ان کا طریقہ استدلال عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوے کی تائید میں انھیں اشعار کو پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن میں قدر یا اس کے مماثل الفاظ آئے ہیں یا ان اشعار کو جن میں واقعات کی اضافت دہر یا زمان کی طرف کی گئی ہے۔ تیسری طرح کے اشعار جن میں خدا کو قادر اور متصرف بتایا گیا ہے یہ حضرات اول تو ذکر ہی نہیں کرتے یا اگر کبھی ایسا کوئی شعر ذکر بھی کرتے ہیں تو اس کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اس طریقہ استدلال کے لیے

ان حضرات کے پاس کوئی معقول وجہ جواز نہیں ہے۔ جو شخص بھی عربی شاعری کا معروضی مطالعہ کرے گا اس کو بے شمار ایسے اشعار مل جائیں گے جن میں واقعات و حوادث میں اصل کارفرما قوت خدا کو بتایا گیا ہے اور ایسے اشعار پہلے دونوں طرح کے اشعار کے مقابلہ میں کسی طرح کم نہ ہوں گے۔

- ثانیاً یہ کہ عام طور پر عرب قدر کو ایک مستقل بالذات تصور کی حیثیت سے استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے خدا کی تقدیر مراد لیتے تھے۔ قدر اور مقادیر جیسے الفاظ عربی ادب اور شاعری میں خدا کے متعین کردہ امور، اندازوں اور فیصلوں کے لیے آئے ہیں۔ لبید کا چھٹا اور زہیر کا پانچواں شعر اس سلسلے میں بہت واضح ہے۔ عنترہ تقدیر کو صراحت کے ساتھ خدا کا امر بتاتا ہے (چوتھا شعر ملاحظہ ہو) اور اسی کو قضا بھی کہتا ہے (پانچواں شعر)۔ قضائے الٰہی کا لفظ لبید نے تیسرے شعر میں استعمال کیا ہے اور اس کے اٹل اور غیر متبدل ہونے کی صفت کو واضح کرنے کے لیے 'کتاب' (خدا کا لکھا ہوا) قرار دیا ہے مزید اطمینان کے لیے ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ثعلبہ بن عمر کا شعر ہے:

عتاد امرءٍ فی الحرب لا واهن القویٰ ولا هو عما یقدر اللہ صارف [۵۲۶]

جنگ میں تیاری مطلوب ہے نہ کہ کمزوری اور ضعف قوی (مگر یہ حقیقت ہے کہ) اللہ نے جو مقدر کیا ہے اس کو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی۔

خباب بن غزی کا شعر ہے:

وادمی بنفس فی فروج کثیرۃ ولیس لامر حمہ اللہ صارف [۵۲۷]

میں بسا اوقات اپنے کو خطروں میں ڈال دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کر لیا ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

ملع بن قیس الکنانی کا شعر ہے:

قدر الرحمٰن ان القاکم عارضا رمحی علی متن الاغر [۵۲۸]

خدا نے مقدر کر دیا تھا کہ میں گھوڑے کی پیٹھ پر سوار، نیزہ تانے ہوئے تمہارے مقابلہ پر آؤں

عامر بن الحارث قبیلہ جرہم کا شاعر تھا جو کعبہ کے والی تھے۔ بعد میں قریش نے انھیں ہٹا کر کعبہ کی تولیت پر قبضہ جما لیا۔ اس واقعہ پر عامر نے ایک لمبی نظم لکھی ہے اور اپنی قوم کی بدقسمتی پر آنسو بہائے ہیں۔

ذیل میں اس نظم کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔ پہلے شعر میں عامر کعبہ سے اپنے اخراج کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور چوتھے شعر کے پہلے مصرع میں خدا (ملیک) کی طرف اور دوسرے مصرع میں اس طرح کے امور کو مقادر کہتا ہے۔ اس شعر کا واضح اشارہ ہے کہ یہاں المقادر سے مراد مقادر الملیک یعنی تقدیر الٰہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

بلی نحن کنا اهلها فازالنا　　　صروف اللیالی والجدود الدوائر

ہاں! ہم اس سرزمین کے بسنے والے تھے مگر گردش لیل و نہار اور قحط سالیوں نے ہمیں یہاں سے نکال دیا

وکنا ولاة البیت من بعد نابت　　　بعز فما یحظی لدینا المکاثر

نابت کے بعد بیت اللہ کی نگہبانی ہم نے کامیابی کے ساتھ کی، ہمارے مقابلہ میں کوئی نیک نامی میں سبقت نہیں کر سکتا تھا۔

ملکنا فعززنا فاعظم بملکنا　　　فلیس لحیٍّ غیرنا ثم فاخر

ہم نے عزت کے ساتھ حکومت کی، اور کیسی عظیم حکومت! ہمارے سوا کسی قبیلہ کو کوئی افتخار حاصل نہیں تھا۔

فاخرجنا منها الملیک بقدرة　　　کذلک یا للناس تجری المقادر[۲۹]

مگر پھر خدا نے اپنی قوت سے کام لے کر ہمیں یہاں سے نکال دیا۔ اور افسوس اے لوگو مقدرات اسی طرح کام کرتے ہیں۔

ثالثاً بعض اوقات ذہن میں شبہ اٹھتا ہے کہ اگر عرب واقعات و حوادث کے پیچھے اصل کارفرما قوت خدا ہی کو قرار دیتے تھے اور قدر کو کوئی مستقل بالذات تصور نہیں سمجھتے تھے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ قدر، مقادر، قضا وغیرہ الفاظ مجہول طریقے پر استعمال کرتے تھے۔ اور انھیں خدا کی طرف مضاف نہیں کرتے تھے۔ یہ کوئی اہم شبہ نہیں ہے جو قومیں خدا پر شبہ رکھتی ہیں اور اس کی تکوینی ربوبیت کی قائل ہیں جیسا کہ عرب قائل تھے وہ اکثر حوادث و واقعات کو خدا کا فعل یا اس کی تقدیر یا اس کی قضا کہنے کے بجائے محض تقدیر، مقدور اور قضا کہنے پر اکتفا کرتی ہیں اور خدا کی طرف ان کو مضاف نہیں کرتیں۔ اکثر صیغہ مجہول استعمال کرتی ہیں یا فعل کا ذکر کر کے رہ جاتی ہیں، اور فاعل کا ذکر نہیں کرتیں، اردو میں بھی یہ اسلوب عام ہے جیسے ہم لٹ گئے۔ تباہ و برباد ہو گئے۔ شامت آئی۔ مصیبت ٹوٹ پڑی وغیرہ۔ یہ انداز بیان خدا پر

ایمان رکھنے والی قومیں مختلف وجوہ کی بنا پر اختیار کرتی ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ان کے درمیان خدا کی قضا اور قدر کا نظریہ اس قدر مسلّم اور واضح ہوتا ہے کہ محض قضا یا قدر کا لفظ استعمال کرنا کافی ہوتا ہے مخاطب ان سے قضاء اللہ اور قدر اللہ کا مفہوم سمجھنے میں کوئی زحمت محسوس نہیں کرتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اسلوب خدا کی عزت وعظمت کے احترام کے پیش نظر اختیار کیا جاتا ہے۔ مجرد قضا اور قدر کے استعمال سے مراد قدر (Destiny) کا کوئی مستقل بالذات تصور پیش کرنا نہیں بلکہ صرف خدا کی تقدیس مطلوب ہوتی ہے۔ کیونکہ جن واقعات وحوادث کو خدا کی تقدیر کہا جاتا ہے ان میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، خوش کن بھی اور تکلیف دہ بھی۔ خدا کی حکمت، رحمت اور تقدیس پر ایمان رکھنے والی قومیں ان تکلیف دہ اور برے افعال وحوادث کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرنے سے بالعموم اجتناب کرتی ہیں اور انھیں اپنی غلط کاری یا کوتاہ فہمی کا نتیجہ سمجھتی ہیں۔ اس لیے انھیں صرف قدر و مقادر کہنے پر اکتفا کرتی ہیں یا ان کے لیے فعل کو صیغۂ مجہول میں استعمال کرتی ہیں۔

قدر کے بارے میں جو نظریہ ہم نے پیش کیا ہے وہی عام عربوں کا عقیدہ تھا، خواہ وہ مشرک ہوں، یہودی ہوں یا عیسائی ہوں۔ مگر عربوں میں ایسے لوگ بہرحال موجود تھے، خواہ تعداد میں کتنے ہی کم ہوں، جو خدا کے منکر تھے یا خدا کی قدرت کو محدود رکھتے تھے، اس کو محض خالق خیر سمجھتے تھے اور خالق شر کسی اور قوت کو قرار دیتے تھے جیسے مجوس یا جو خدا کے بارے میں شک وریب میں مبتلا تھے۔ ان لوگوں میں اگر قدر (Destiny) کا تصور ایک مجہول اور مستقل قوت کی حیثیت سے ابھر آیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ احتمال بہرحال باقی ہے لیکن اس احتمال کو واقعہ ثابت کرنے کے لیے جو دلائل وشواہد عام طور پر پیش کیے جاتے ہیں وہ نہ صریح ہیں اور نہ قطعی۔ ان کے سلسلہ میں ہمیشہ یہ امکان باقی رہتا ہے کہ ان سے مراد خدا کی تقدیر ہی ہو۔

عربوں کو ملحدانہ جبریت کا حامی کہنے کی دوسری بنیاد وہ اشعار ہیں جن میں دہر، زمان، ایام و لیالی وغیرہ کی طرف واقعات وحوادث کی اضافت کی گئی ہے۔ ان اشعار اور بعض شواہد کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ عربوں میں دہر یا زمان کا ایک مستقل تصور موجود تھا جو خدا کی قدرت سے نہ عبارت تھا اور نہ وابستہ۔ بلکہ خود ایک مستقل تصور تھا۔ اس نظریہ کے مطابق عرب واقعات و حوادث ہی کو نہیں اپنے افعال واعمال کو بھی اسی قوت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

اس نظریہ کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذلک من علم ان ھم الا یظنون ۔ (الجاثیہ: ۲۴)

اور انھوں نے کہا ہماری زندگی تو یہی دنیا کی زندگی ہے۔ ہم جیتے ہیں اور مرتے ہیں۔ اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ اس خیال کی تائید میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ یہ تو محض ان کا ایک گمان ہی ہے۔

اس نظریہ کی حمایت میں مذہبی افکار و عقائد کے مسلم مورخین کے اقوال بھی نقل کیے جاتے ہیں طبقات الامم کے مصنف الصاعد الاندلسی نے عربوں میں ایک ایسے گروہ کا وجود بتایا ہے جن کا عقیدہ دہریوں کا عقیدہ تھا اور قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت پیش کر کے لکھا ہے کہ یہ گروہ خالق، بعثت بعد الموت اور جزا و سزا کا منکر تھا۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ دنیا ازلی اور ابدی ہے۔ کوئی اس کا خالق نہیں ہے۔

ایک اور دلیل بھی اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہے۔ اصنام عرب میں ایک صنم کا نام عوض تھا۔ عوض کے معنی زمانہ کے ہیں۔ عرب کے شمال مشرق میں بکر بن وائل کا قبیلہ عوض کو پوجتا تھا۔ نولدیکی (T. Noeldeke) نے اس کی بنیاد پر اور الدھر کے عام استعمال کے پیش نظر لکھا ہے کہ عربوں میں زمان (Time) کا تصور ایک مستقل تصور کہا جا سکتا ہے جو Destiny یعنی قسمت یا قدر کے تصور سے مختلف تھا۔ عرب زمان کو ایک قوت سمجھتے تھے جو انسان کی خوشی اور غم، موت و حیات اور دوسرے حوادث و واقعات کا سبب تھا۔[۳۱]

دہر کے سلسلہ میں یہ نظریہ مستشرقین کے حلقوں میں خاصا عام ہے۔ اس سے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ جن واقعات و حوادث، افعال و اعمال کو عرب ایک مقام پر دہر، زمان، ایام و لیالی کی طرف منسوب کرتے ہیں انھیں کو وہ خدا کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً موت، قتل، فساد، فقر تنگ دستی، رنج و غم وغیرہ کو عرب شعراء صروف لیالی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور خدا کی قدرت اور مشیت کا فعل بھی۔ اس سلسلے میں طرفہ کا دوسرا اور تیسرا شعر، زہیر کا تیسرا اور چوتھا اور اعشی کا چوتھا شعر ملاحظہ ہو۔ جن میں بیک وقت ایک ہی واقعہ کو دونوں تصورات کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس بات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ عرب دہر کو خدا کی مشیت سے آزاد کوئی مستقل قوت نہیں سمجھتے تھے الا یہ کہ ہم عرب کے ان ممتاز شاعروں کو مختلف اور متضاد نظریات کا حامل قرار دیں۔ اور ایک ہی نظم بلکہ ایک ہی شعر میں اس تضاد بیانی

کا انھیں مرتکب ٹھہرائیں پھر اس ارتکاب کو ایک وقتی لغزش ہی نہیں بلکہ ایک ایسا جرم ثابت کریں جسے انھوں نے بالقصد اور بار بار کیا ہے۔ عامر بن الحارث جرمی کے جو اشعار ہم نے اوپر نقل کیے ہیں وہ اس سلسلے میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ عامر صریح الفاظ میں مکہ سے اپنی قوم کے اخراج کو صروف لیالی (گردش ایام) کا نتیجہ بتاتا ہے اور پھر دو اشعار کے بعد چوتھے شعر میں اس واقعہ کو خدا کے مقدرات قرار دیتا ہے۔

دوسری قوموں کی طرح عربوں میں بھی دہر، زمان اور ایام کے الفاظ اکثر محض ایک عنوان کے طور پر استعمال ہوئے ہیں جن سے کہنے والا ان حوادث و واقعات، مصائب و آلام کو مراد لیتا ہے جو زمان میں واقع ہوتے ہیں۔ ان تمام حوادث میں صرف یہ بات مشترک ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی معنی میں ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہوتے ہیں اور دوسرے اعتبارات سے وہ بے حد مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی وہ طبعی تغیرات کے زیر اثر رونما ہوتے ہیں، کبھی انسانوں کی کوئی جماعت، قبیلہ یا گروہ ان کا سبب ہوتا ہے۔ کبھی ان کا وقوع قابل فہم ہوتا ہے اور کبھی اتفاقات کا نتیجہ۔ کبھی ان کی زد انسان کی جان پر پڑتی ہے۔ کبھی مال پر، کبھی کھیتی کو نقصان پہنچتا ہے اور کبھی مویشیوں کو۔ کبھی جاہ و منزلت خطرے میں ہوتی ہے اور کبھی عزت و آبرو پر آنچ آتی ہے۔ ان سارے ہی حوادث کے لیے دہر یا ایام کے الفاظ ایک موزوں عنوان (Symbols) کے طور پر کام آسکتے ہیں۔ ہر زبان میں اس طرح کے الفاظ کا ایک گروپ ہوتا ہے جن سے کوئی ایک متعین خارجی حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ ان الفاظ کا واحد مفاد یہ ہوتا ہے کہ ان کے ذریعہ کہنے والا ایک خاص قبیل کی مختلف الاجناس چیزوں کی طرف ایک ساتھ اشارہ کر سکتا ہے۔ اسی قبیل کا ایک لفظ مروّۃ بھی ہے جو عربوں میں صفات حسنہ کے لیے ایک جامع عنوان کے طور پر استعمال ہوتا تھا[۳۴]۔ خود نولدیکی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ دہر یا زمان کا لفظ ایک شاعرانہ اسلوب بیان کے طور پر عرب بکثرت استعمال کرتے تھے[۳۵]۔

اس ضمن میں تیسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ عرب ان الفاظ کو ناپسندیدہ اور تکلیف دہ واقعات کے سلسلے میں ہی استعمال کرتے ہیں۔ شاذونادر ہی وہ ان کا ذکر اچھے امور کے سلسلے میں کرتے ہوں۔ اگر فی الواقع دہر یا زمان کو عرب ایک مستقل قوت ہی تسلیم کرتے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس قوت کی طرف اچھے اور پسندیدہ امور کو منسوب نہ کرتے، الا یہ کہ عربوں کو عام طور پر ایرانی ثنویت کا قائل سمجھا جائے جس کا دعویٰ کوئی بھی نہیں کرتا۔

ان وجوہ کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ دہریت کے اس تصور کو جو اس وقت زیر بحث ہے عام عربوں کا عقیدہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ الزام کہ عرب عوام ایک ملحدانہ جبریت کے حامی تھے غلط اور بے بنیاد ہے۔

مگر مختلف قرائن کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ عربوں میں ایسے افراد مختلف قبائل میں موجود تھے جو دہریت کی مختلف تعبیروں میں سے کسی نہ کسی تعبیر کے قائل تھے۔ مثال کے طور پر ان میں ایسے لوگ تھے جو ستاروں کو مستقل بالذات فاعل اور موثر سمجھتے تھے۔ یا جو سورج، چاند، اور قدرت کے دوسرے مظاہر کو خدائی میں شریک کرتے تھے۔ اور آسمانوں کی نہ سہی زمین ہی کی ربوبیت میں انھیں دخیل قرار دیتے تھے۔ تعجب نہیں ہے کہ بکر بن وائل کا قبیلہ جو ایران کی سرحد سے قریب تھا، ایرانی خیالات کے زیر اثر زمان کو خدائی میں شریک ٹھہراتا ہو اور اس بات پر بھی تعجب نہیں ہے کہ قسمت (Destiny) کا ایک مبہم تصور بھی ان میں ابھر آیا ہو جو ابتداءً خدا کی تقدیر کے ہم معنی ہو مگر بعد میں کم و بیش ایک مستقل تصور بن گیا ہو اور عربوں کی شعوری زندگی اور خیالات کے بجائے ان کے لاشعور میں جگہ پا گیا ہو اور ان کی شاعری ان کے احساسات و جذبات، اور ان کے تاثرات و تخیلات پر کسی معنی میں اثر انداز ہوا ہو۔ ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ دہریت کسی معنی میں عربوں میں موجود تھی، ہمیں انکار صرف اس بات سے ہے کہ دہریت عربوں میں عام تھی یا ایک معتدبہ گروہ میں مقبول تھی۔ جو حضرات اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے دلائل اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے قطعاً کافی نہیں ہیں۔ ان کی بنا پر یقین تو کجا گمان بھی نہیں پیدا ہوتا۔ صاعد اندلسی جیسے مورخین ادیان کے بیانات اور قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت زیادہ سے زیادہ، عربوں میں عقیدہ دہریت کا وجود ثابت کرتی ہیں۔ مگر یہ بات کہ عام عربوں کا عقیدہ دہریت کا عقیدہ تھا ان سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ ان دلائل کی روشنی میں عام عربوں کو ملحدانہ جبریت کا قائل بتانا غلط اور بے بنیاد ہے۔

آزادی ارادہ

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عربوں کے خیال میں گردش لیل و نہار، حوادث و واقعات اور قضا و قدر کا اصل خالق خدا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ عرب تقدیر الٰہی اور تصرفات خداوندی کو آزادی اختیار و ارادہ کے منافی سمجھتے تھے؟

اب تک کی بحث ان واقعات و حوادث سے متعلق رہی ہے جو یا تو انسانی علم و ارادہ سے قطعاً غیر متعلق ہوتے ہیں یا جن میں انسان کا اختیار و ارادہ بے بس و غیر موثر ہوتا ہے۔ اس دوسرے سوال سے بحث کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور وہ انسانی افعال بھی اب داخل بحث ہو جاتے ہیں جنھیں اختیاری اور ارادی کہا جاتا ہے اور جو اخلاق کا فی الواقع اصل موضوع ہیں۔

جس سوال پر اب بحث کرنی ہے اس کے سلسلے میں شروع ہی میں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے جو سوال اٹھایا ہے واضح رہے کہ وہ یہ نہیں ہے کہ تقدیر الٰہی اور تصرفات خداوندی فی الواقع انسانی اختیار و ارادہ کی آزادی کے منافی ہیں یا نہیں؟ اس سوال سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہمارا سوال بالکل مختلف ہے۔ ہم تو صرف یہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ کیا عربوں کے خیال میں تقدیر الٰہی اور آزادی اختیار و ارادہ کے تصورات متضاد اور منافی تصورات تھے؟ کیا تقدیر الٰہی پر یقین رکھنے کے تقاضے کے طور پر وہ انسانی اختیار و ارادہ کی آزادی کی نفی کرتے تھے اور انسان کو مجبور محض قرار دیتے تھے اور پھر نتیجہ کے طور پر اعمال کی انسانی ذمہ داری کے تصور کا انکار کیا کرتے تھے؟ ہمارا سوال عربوں کے فکر و خیال کی تحقیق سے متعلق ہے۔ ہمیں اس سوال سے قطعاً بحث نہیں ہے کہ فی الواقع ان دونوں تصورات میں تضاد اور تناقض ہے یا نہیں ہے، اور نہ اس سے بحث ہے کہ عرب اس سوال سے متعلق جو رائے رکھتے تھے وہ صحیح ہے یا غلط۔

اس سوال کے سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ جاہلی ادب اور شاعری میں ایسی عبارتیں اور ایسے اشعار شاذ و نادر ہوں گے جن میں صراحتاً کہا گیا ہو کہ انسان کو اختیار و ارادہ کی کوئی آزادی حاصل نہیں ہے انسانی ارادہ کسی عمل میں بھی موثر نہیں ثابت ہوتا۔ سارے اعمال براہ راست خدا کی ذات سے سرزد ہوتے ہیں اور وہی تمام افعال انسانی کا تنہا فاعل ہے۔ جو لوگ عربوں کو جبریت کا قائل کہتے ہیں ان کی تحریروں میں اس طرح کے اشعار یا عبارتیں نہیں ملتیں۔ وہ جس بنا پر جبریت کا عقیدہ عربوں کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جاہلی شاعری میں انھیں ایسے اشعار بکثرت ملتے ہیں جن میں قدر، مقادر، قضا، دہر اور زمان کے تصرفات کا ذکر کیا گیا ہے اور انسان کی بے بسی اور مجبوری ظاہر کی گئی ہے۔

بلاشبہ اس طرح کے اشعار عربی شاعری میں بکثرت ملتے ہیں مگر غور طلب بات یہ ہے کہ ان اشعار میں کس طرح کے واقعات و حوادث کے سلسلے میں انسانی مجبوری کا اظہار کیا گیا ہے؟ ہمارے مطالعہ کی حد تک ان اشعار میں زیادہ تر ایسے واقعات و حوادث کا تذکرہ ہے جو انسان کے علم و ارادہ سے قطعاً غیر متعلق ہیں مگر جو انسان کی زندگی پر غیر معمولی اثر ڈالتے ہیں۔ جیسے قحط سالی اور موت، یا ایسے واقعات جن میں ایک فرد کا اپنا ارادہ غیر موثر ہوتا ہے اور جن کی ذمہ داری تنہا اس پر نہیں بلکہ پوری جماعت اور معاشرے پر آتی ہے۔ جیسے لڑائیاں اور جنگیں اور ان کے نتیجے میں واقع ہونے والی تباہی اور فساد، قتل و خوں ریزی۔ یقیناً ان اشعار میں بعض ان افعال و اعمال کو بھی قدر کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے جن کو اختیاری اور ارادی قرار دیا جاتا ہے مثلاً محبت اور عشق۔

لیکن ایسے اشعار بھی عربی شاعری میں بکثرت ملتے ہیں جن میں افعال و اعمال کا فاعل انسان کو قرار دیا گیا ہے جنھیں انسانی اختیار و ارادہ کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ اور ان کے سلسلے میں انسان کو ذمہ دار اور جواب دہ کہا گیا ہے۔ اختیار و ارادہ کی اسی آزادی کی بنیاد پر آخرت کی جزا کی امید اور سزا کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر برے کاموں سے بچنے اور بھلے کاموں کو اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اور پھر اسی کی بنیاد پر نیک کام کے انجام دینے پر خوشی و مسرت، مدح و ستائش اور برے کام کے ارتکاب پر پشیمانی اور شرمندگی، ملامت اور ذم کا اظہار کیا گیا ہے۔ ذیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لبید کو جبریت کا نمائندہ بتایا گیا ہے۔ اس کے یہ اشعار پڑھیے جن میں بھلائی کرنے اور برائی سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے:

واکذب النفس اذا حدثتها　　ان صدق النفس یزری بالامل

جب نفس سے کسی بات کا وعدہ کرو تو ایفا نہ کرو۔ نفس کے ساتھ صحیح سلوک یہ ہے کہ اس کی خواہشات سے نفرت کی جائے۔

غیر ان لا تکذبنہا فی التقیٰ　　واخزھا بالبر للہ الاجل[۳۶]

مگر نفس کی کوئی نیک خواہش ہو تو اسے ضرور پورا کرو۔ نیک کام کر کے خدا کے لیے اس کو ذلیل کیا کرو۔

عبد قیس بن خُفاف نے کہا ہے:

الله فاتقه واوف بنذره   واذا حلفت ممارياً فتحلل

خدا سے ڈرو اور اس کی نذر پوری کرو۔ اگر جھگڑے سے بر قسم کھائی ہو تو قسم توڑ دو اور اس کا کفارہ ادا کر لو۔

واذا هممت بامر شر فاتئد   واذا هممت بامر خير فافعل

اگر کسی برے کام کا ارادہ کرو تو توقف سے کام لو اور اچھے کام کا ارادہ کرو تو فوراً کر ڈالو

واستغن ما اغناك ربك بالغنى   واذا اصبت خصاصة فتحمل [۳۵]

جب اللہ تجھے دولت دے تو مزید کے لیے حریص نہ ہو اور جب تنگ دستی لاحق ہو تو شریفانہ طریقہ اختیار کرو۔

انسان اپنے فعل کا فاعل اور اس کے لیے ذمہ دار ہے، اور اسی وجہ سے جزا و سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس خیال کے لیے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

حاتم طائی نے کہا ہے:

وانی لمجزی بما انا کاسب   وکل امرئ رهن بما انا متلف [۳۶]

میں جو کچھ کماؤں گا اس کا بدلہ پاؤں گا۔ ہر شخص کی طرح میں بھی جو کچھ ضائع کروں گا اس کا جواب دہ ہوں گا

علقمہ ذوجدن الحمیری نے کہا ہے:

اليوم يجزون باعمالهم   كل امرئ يحصد ما قد زرع

اس دن لوگ اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔ جس نے جو کچھ بویا ہے وہی کاٹے گا۔

صاروا الى الله باعمالهم   يجزى من خان ومن ارتدع [۳۷]

لوگ خدا کے پاس اپنے اعمال کے ساتھ حاضر ہوں گے جس نے خیانت کی یا نہ کی اس کو ویسا ہی بدلہ ملے گا

لبید ہی کے اشعار ہیں:

وكل امرء يوماً سيعلم سعيه   اذا كشفت عند الاله المحاصل [۳۸]

جس دن خدا کے سامنے ہر چیز کھل جائے گی اس دن ہر شخص اپنا کیا ہوا جان لے گا

بل كل سعيك باطل الا التقى   فاذا انقضى شيئ كان لم يفعل [۳۹]

تقویٰ کے سوا تمہارا ہر عمل باطل ہے۔ انجام پا جانے کے بعد وہ ایسا بے نتیجہ ہوتا ہے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں اعشیٰ نے کہا ہے

ان محلاً و ان مرتحلاً وان فی السفر اذ مضی مہلاً
استأثر اللہ بالوفا وبالعدل وولّی الملامۃ الرجلا

ان اشعار کی تشریح میں ابو عمرو بن العلا نے لکھا ہے :

اس دنیا میں انسان قیام کرتا ہے، پھر دوسری دنیا کی طرف سفر کرتا ہے اور جب سفر ایک بار شروع ہو جاتا ہے تو پھر اختتام تک پہنچتا ہے۔ خدا عدل و انصاف اور ایفائے عہد و پیمان کو پسند کرتا ہے اس لیے اس نے انسان کو اپنے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار قرار دیا ہے۔[۵۰]

برائی کے اظہار پر پشیمانی کے احساس کا اظہار اعشیٰ نے یوں کیا ہے :

اذا انت لم ترحل بزادٍ من التقی ولاقیت بعد الموت قد تزوّدا

جب تو تقویٰ کو زاد راہ نہ بنائے گا اور موت کے بعد ایسے شخص سے ملے گا جس نے زاد راہ لی تھی

ندمت علی ان لا تکون کمثلہ وانک لم ترصد لما کان ارصدا[۵۱]

تو تجھے بے حد شرمندگی ہوگی کہ تو بھی اس کے جیسا کیوں نہ ہوا اور اس کی طرح برے انجام سے بچنے کی تیاری کیوں نہ کی۔

یہ اشعار عربوں کے اس تصور کے ثبوت میں صریح اور واضح ہیں کہ انسان اپنے اختیار وارادہ میں آزاد ہے اور اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ ایسے بہت سے اشعار ہر شاعر کے کلام سے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان کی روشنی میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عرب اخلاقی اعمال کے سلسلہ میں آزادی ارادہ کے علمبردار تھے نہ جبریت کے۔

جو لوگ عربوں کو جبریت کا پرستار کہتے ہیں وہ خدا کی ہمہ گیر مشیئت اور قدرت سے بھی استدلال کرتے ہیں جو عام عربوں کا عقیدہ تھا۔ خدا کی قدرت مطلقہ کے ساتھ انسانی اختیار وارادہ کو بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں یہ سوال عربوں کی مزعومہ جبریت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیے قطعاً ضروری نہیں ہے۔ اول تو یہ صحیح نہیں ہے کہ خدا کی قدرت مطلقہ اور انسانی اختیار وارادہ میں منافات ہے لیکن اگر بالفرض ہم اسی نتیجہ پر پہنچیں کہ جو شخص خدا کی ہمہ گیر قدرت پر یقین رکھتا ہو وہ منطقی طور پر

انسان کی آزادی کا قائل نہیں ہو سکتا تو بھی اس سے عربوں کے واقعی رجحان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عرب اس منطقی تضاد (درانحالیکہ ضروری نہیں کہ یہ منطقی تضاد ہو بھی) کے غیر شعوری طور پر مرتکب ہوں اور خدا کی ہمہ گیر قدرت میں یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ آزادی ارادہ کے بھی قائل ہوں۔ ایسے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں خدا کی مشیئت اور انسانی ارادہ و فعل کو ایک ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

حاتم کہتا ہے:

اذا کان بعض المال ربا لاھلہ فانی بحمد اللہ مالی معبد[۴۲]

بعض لوگ اپنے مال کے غلام ہوتے ہیں، مگر خدا کا احسان ہے کہ میرا مال میرا غلام ہے۔

اس شعر میں حاتم مال کی محبت اور غلامی سے آزادی، بے نیازی اور اپنی صوابدید کے مطابق تصرف کا اظہار کرتا ہے اور خدا کی توفیق پر شکر ادا کرتا ہے یعنی ایک ہی صفت اور فعل کو اپنے ارادہ اور خدا کی ذات دونوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں دیکھتا۔

خباب غزی کا شعر ہے:

وارمی بنفسی فی فروج کثیرۃ ولیس لامر حمہ اللہ صارف[۴۳]

میں بسا اوقات اپنے کو خطرات میں ڈالتا رہتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اس شعر میں خباب خطرات و مہالک میں اپنے جرأت مندانہ اقدام کا تذکرہ کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس یقین کا بھی اظہار کرتا ہے کہ اگر خدا کی مرضی اس کی خواہش اور ارادہ کے خلاف ہوئی تو وہی ہوگا جو خدا چاہے گا۔ ایک طرف اس کو اپنے ارادہ اور اقدام کی آزادی اور اثر آفرینی کا شعور ہے۔ اور دوسری طرف اس کے حدود کا بھی احساس ہے۔

اوپر کی بحث کی روشنی میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ عربوں میں آزادی اختیار و ارادہ کا بہت واضح تصور ملتا ہے۔ وہ ایک طرف خدا کی ہمہ گیر قدرت، خلق و تدبیر، قضا و قدر پر ایمان رکھتے تھے اور دوسری طرف انسان کو خود مختار، اپنے افعال کا فاعل، اور اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جوابدہ سمجھتے تھے۔ اچھا کام کر کے خوش ہوتے تھے اور برائی کر کے پشیمان ہوتے تھے۔ نیکی کرنے والے کو تحسین اور بدی کے مرتکب

کو لعنت و ملامت کا مستحق سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک استحقاق کی بنیاد اعمال کی نوعیت پر قائم تھی نہ کہ ان کے افادی تقاضوں پر۔ نیکی بذات خود تعریف اور جزا کی مستحق تھی اور بدی بذات خود ملامت و سزا کی۔

آزادی ارادہ کا تصور عربوں میں بہت عام تھا۔ جو لوگ جبریت کو عربوں کا عمومی رجحان بتلاتے ہیں وہ ضرورت سے زیادہ ان اشعار سے متاثر ہیں جو خدا کی مشیت، قدر یا دھر کی کارفرمائیوں اور انسانی بے بسی و لاچاری کو نمایاں کرتے ہیں۔ یہ لوگ آزادی اختیار و ارادہ والے اشعار کو وہ اہمیت نہیں دیتے جس کے یہ مستحق ہیں۔ پھر یہ لوگ جبر والے اشعار کے بارے میں یہ سوچنے کی زحمت کم ہی گوارا کرتے ہیں کہ عرب واقعات و افعال کے کس دائرہ میں جبریت کے قائل تھے۔ عربی جبریت صرف ان اعمال کے حدود میں غالب ہے جو خارج از اخلاق ہیں اور اختیار و ارادہ کی دسترس میں نہیں آتے۔ اخلاقی اعمال کے دائرہ میں آزادی ارادہ ہی کا تصور عربوں میں نمایاں تھا اور یہی ان کا عام اور غالب رجحان تھا۔

مگر عربوں میں ایسے افراد اور گروہوں کے امکانات بہرحال ہیں جو اخلاقی اعمال کے دائرے میں بھی جبریت کے قائل ہوں۔ عربوں میں مختلف قسم کے افکار و عقائد رکھنے والے افراد اور گروہ موجود تھے۔ تعجب نہیں ہے کہ ان میں ایسے بھی ہوں جو جبریت مطلقہ کے قائل ہوں۔ یا ان کا رجحان اس سے قریب تر ہو اور بعض عرب شعراء غیر شعوری طور پر اس رجحان سے کسی حد تک متاثر ہو کر بعض اوقات اسی رجحان کی ترجمانی کرتے ہوں۔ ہم ان امکانات کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کی بنیاد پر عربوں کو عام طور پر جبریت پسند قرار دینا ہم بالکل بے جا اور غلط سمجھتے ہیں۔

قسمت پرستی یا فعالیت

اس بحث کا آخری سوال یہ ہے: عربوں کی زندگی اور اخلاق پر قدر کے نظریہ نے کیا اثرات ڈالے تھے؟ اس مسئلہ میں مستشرقین کی پوری جماعت الا ماشاء اللہ یہ نظریہ رکھتی ہے کہ عرب fatalist تھے۔[۱۹۵] Oxford English Dictionary میں Fatalism کے معنی کی جو تشریح کی گئی ہے اس کے مطابق Fatalism اس نظریہ پر یقین رکھنے کو کہتے ہیں کہ حوادث و افعال کا تعین اور وقوع ایک ایسی قوت کا فعل ہے جس کا عمل کسی ضابطہ اور حکمت کا پابند نہیں ہے۔ جسے عام طور پر fate (قسمت) کہا جاتا ہے۔ Fatalism میں اس بات کے علاوہ یہ یقین رکھنا بھی شامل ہے

کہ جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ لازمی اور اٹل ہے۔ جو کچھ ہوا اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی تھی، انسان کا اپنا اختیار و ارادہ غیر مؤثر اور بے حقیقت ہے۔ اس یقین کے نتیجہ کے طور پر انسان قسمت کے سامنے سپر ڈال دیتا ہے، اور اس کے فیصلوں اور کار فرمائیوں پر صبر کر کے بیٹھ رہتا ہے۔ اس تشریح کے پیش نظر Fatalism کا ترجمہ قسمت پرستی یا توکل علی التقدیر کیا جا سکتا ہے۔ بڑی حد تک Fatalism کے جامع مفہوم کی ترجمانی ان الفاظ سے ہو سکتی ہے۔

قسمت پرستی کے مفہوم کا پہلا جزیہ ہے کہ حوادث و واقعات اور انسانی افعال و اعمال پر ایک ایسی قوت حکمران ہے جو حکمت و دانائی سے ناآشنا ہے۔ اس کے تصرفات کسی قانون کے ماتحت نہیں ہوتے۔ اس کا عمل اکثر خلاف حکمت، ضرر رساں، ظالمانہ اور انتہا پسندانہ ہوتا ہے۔ قسمت پرستی کے مفہوم کا دوسرا جزیہ ہے کہ انسان اس اندھی، ظالم و جابر قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس و لاچار محسوس کرے، اپنی نیک اور اچھی کوششوں کو بے سود اور لاحاصل جانے اور قسمت کے فیصلوں کو اٹل سمجھ کر زندگی کی سرگرمیوں سے منہ موڑ لے۔ ان دونوں تصورات کی وضاحت آکسفورڈ ڈکشنری میں بھی ملتی ہے اور جو لوگ عربوں کو fatalist کہتے ہیں وہ بھی ان کا ذکر کرتے ہیں۔

عربوں پر قسمت پرستی کا الزام اس نظریہ پر قائم ہے کہ ان کی اکثریت قدر (قسمت یا تقدیر) کے ایک مستقل بالذات تصور پر یقین رکھتی تھی جو ایک اندھی قوت ہونے کی وجہ سے کسی ضابطہ اور حکمت کی پابند نہیں ہے۔ جس کا فیصلہ اکثر اوقات میں انسان کے لیے مضر ہوا کرتا ہے۔ یا اس نظریہ پر قائم ہے کہ عربوں میں دہر یا زمان کی فعالیت کا تصور عام تھا، جو تقدیر کی طرح غیر حکیمانہ اور اندھی قوت ہے جس کا عمل بسا اوقات خلاف حکمت اور ظالمانہ ہوتا ہے۔

اوپر کی بحث نے ان بنیادوں کو ڈھا دیا ہے۔ چنانچہ ان بنیادوں پر اٹھائی جانے والی عمارت بھی خود بخود گر جاتی ہے۔ عربوں کی اکثریت تقدیر کو مستقل بالذات قوت نہیں سمجھتی تھی بلکہ خدا کی قدرت، علم و حکمت کا نتیجہ قرار دیتی تھی۔ خدا کی تقدیر کے بارے میں اس کا یہ ہرگز خیال نہیں تھا کہ وہ انسانی مسرت خیر و سعادت کی دشمن ہوتی ہے۔ عرب تقدیر الٰہی کے بعض فیصلوں پر عدم اطمینان، غم اور اضطراب کا اظہار کرتے تھے اور بعض واقعات و حوادث کے باحکمت ہونے میں شک و شبہ بھی رکھتے تھے لیکن اس طرح کا کوئی عقیدہ ان کے یہاں نہیں کہ خدا ایک اندھی قوت ہے، اس کے فیصلے خلاف حکمت ہوتے

ہیں اور اس کی تقدیر غیر معقول اور شر پسند ہوتی ہے۔

قسمت پرستی کے الزام کا دوسرا جز بھی پہلے جز کی طرح غلط ہے۔ عربی شاعری سے بکثرت ایسے اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں جو قسمت پرستی کے نتیجہ میں بے عملی، تعطل، جمود اور قنوطیت کے رجحان کو عربوں کا عام رجحان قرار دینے کے خیال کی تردید کرتے ہیں اور ان کے برعکس عربوں کی عملیت سرگرمی، فعالیت اور پُر امیدی کو ثابت کرتے ہیں۔

دنیا کی سب سے زیادہ یقینی چیز موت ہے۔ چنانچہ عربی ادب میں الیقین کا لفظ موت کے لیے کنایۃً استعمال ہوتا ہے۔ پھر موت یقینی ہی نہیں اٹل بھی ہے۔ موت کے آگے کوئی تدبیر نہیں چلتی۔ انسان موت کے معاملہ میں بے حد مجبور اور بے بس ہے۔ اس موت کے سلسلہ میں عربی جذبہ اور ردعمل ملاحظہ ہو:

زید الخیل کہتا ہے:

فلست اذا ما الموت حوذر وردہ ۔۔۔ واترع حوضاہ وجمّع ناظر

جب موت کا کھٹکا ہمیشہ لگا رہتا ہے، آنکھیں بھر آتی ہیں اور پتلیاں اٹک جاتی ہیں

بوقافۃ یخشی الحتوف مھیباً ۔۔۔ یراعدنی عنھا من القب ضامر

تو میں موت سے ڈر کر اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے دور ہٹ کر کھڑا نہیں ہو جاتا

ولکننی اغشی الحتوف یصعدتی ۔۔۔ مجاھرۃ ان الکریم یجاھر[45]

بلکہ اپنے نیزے سے علی الاعلان موت کا سامنا کرتا ہوں۔ شریف تو اس طرح موت کا کھل کر سامنا کرتا ہے۔

عنترہ کہتا ہے:

ھکرت تخوفنی الحتوف کاننی ۔۔۔ اصبحت عن غرض الحتوف بمعزل

میری بیوی نے صبح ہوتے ہی مجھے موت سے ڈرانا شروع کیا، گویا کہ میں موت سے بچنے کے لیے کسی قلعہ میں محفوظ ہو سکتا ہوں۔

فاجبھا ان المنیۃ منھل ۔۔۔ لابد ان اسقی بکاس المنھل

میں نے جواب میں کہا: موت تو وہ گھاٹ ہے جہاں ہر شخص کو اترنا ہے۔ اور اس کا پیالہ تو ہر آدمی کو پینا ہی ہے۔

فاقنی حیاءک لا ابالک واعلمی   انی امرؤ سأموت ان لم اقتل [۴۶]

تم اپنی عفت کی حفاظت کروگی، میں تو میدان جنگ کی طرف چلا، جان لو کہ میں انسان ہوں اگر قتل نہیں ہوا تو مر دوں گا۔

طرفہ کہتا ہے:

لعمرک ما الایام الا معارۃ   فما اسطعت من معروفہا فتزود [۴۷]

زندگی کے یہ دن مستعار ہیں۔ ان میں اگر نیکی کر سکو تو کر کے آخرت کے لیے زاد راہ لے لو

عام مقدرات کے بارے میں عربوں کا رد عمل یہ ہوتا تھا۔

لبید کا شعر ہے:

ولا اقول اذا ما ازمۃ ازمت   یا ویح نفسی مما احدث القدر [۴۸]

جب مجھ پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو میں قدر کی شکایت نہیں کرتا اور رنج و افسوس کا اظہار نہیں کرتا مصائب میں عرب پست ہمتی، بزدلی اور دنائت کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

متمم بن نویرہ کا شعر ہے:

ولست اذا ما الدھر احدث نکبۃ   بالوث زوار الغرائب اخضعا [۴۹]

جب زمانہ مجھ پر کوئی مصیبت ڈالتا ہے تو میں ذلیل بننا پسند نہیں کرتا کہ مجبور ہو کر اعزا و اقارب کی خدمت میں حاضری دینے لگوں۔

بنی اسد کا ایک شاعر کہتا ہے:

وانی لسھل ما تغیر شیمتی   صروف لیالی الدھر بالفتل والنقض [۵۰]

میں نرم خو ہوں زمانہ کی غداری اور دشمنی میری نرم خوئی پر اثر انداز نہیں ہوتی

گردش زمانہ اور آلام روزگار پر ان کا صبر و تحمل ملاحظہ ہو۔

عروۃ بن الورد کا شعر ہے:

فلا انا مما جرت الحروب مشتک   ولا انا مما احدث الدھر جازع [۵۱]

میں جنگ کے نتائج پر شاکی نہیں ہوتا، اور زمانہ کی ستم رانیوں پر جزع فزع نہیں کرتا۔

عربوں کا جوش، ولولہ، حرکت و فعالیت ملاحظہ ہو۔

تابط شراً لکھتا ہے:

اذا المرء لم یحتل وقد جد جدہ — اضاع وقاسی امرہ وھو مدبر

انسان جب تدبیر سے چوک جائے اور حالات سنگین ہو جائیں تو اس کا کام خراب ہو جاتا ہے، اسے مصیبت اٹھانی پڑتی ہے اور پیٹھ پھیر کر بھاگنا پڑتا ہے۔

ولکن اخو الحزم الذی لیس نازلاً — بہ الخطب الا وھو للمقصد مُبصر

مگر وہ صاحب تدبیر جو واقعہ ہونے سے پہلے صحیح تدبیر سوچ لیتا ہے۔

فذاک قریع الدھر ما عاش حوّل — اذا سد منہ منخر جاش منخر[۵۲]

وہی زمانہ کا آزمودہ کار ہوتا ہے، وہ جب تک زندہ رہتا ہے فعال و متحرک رہتا ہے۔ اگر ایک راہ بند ہو جاتی ہے تو دوسری راہ نکال لیتا ہے۔

عربی شاعری میں جوشِ عمل، سرگرمی، ولولہ، حرکت و فعالیت کی کمی نہیں ہے۔ عام عربوں پر یہ الزام سراسر بے جا ہے کہ وہ عاجز و منفعل اور متوکل علی التقدیر تھے۔ اور یاس و قنوطیت کے شکار اور جہادِ زندگی سے کنارہ کش اور بیزار تھے۔[۵۳]

حوالے:

۱ہ دیوان لبید، وائنا ۱۸۸۰ء، ص ۵۶

۲ہ دیوان لبید، لائیڈن، ص ۵۳

۳ہ دیوان، لائیڈن، ص ۳۳

۴ہ ایضاً ص ۱۱

۵ہ دیوان وائنا، ص ۱۱

۶ہ دیوان، لائیڈن، ص ۵۴

۷ہ الصبح المنیر، ص ۱۰۱-۱۰۲

۸ہ ایضاً ص ۱۵۵

۹ہ ایضاً، ص ۲۰۳

۱۰ہ شرح المعلقات السبع للزوزنی، ص ۸۷۔ منایا منیہ کی جمع ہے اس کے اصل معنی مقدر کے ہیں۔ موت کو منیہ اس لیے کہتے ہیں کہ موت مقدر ہوتی ہے۔

۱۱ہ دیوان زہیر مع شرح احمد بن یحیی ثعلب، قاہرہ ۱۹۴۴، ص ۳۸۵

۱۲ہ ایضاً، ص ۳۰۰

۱۳ہ ایضاً، ص ۳۱۴

۱۴ شرح المعلقات، ص ۶۲

۱۵ ایضاً، ص ۷۱

۱۶ ایضاً، ص ۶۵+۶۶

۱۷ العقد الثمین، لندن ۱۸۷۰ء، ص ۵۲

۱۸ ایضاً، ص ۳۷

۱۹ دیوان عنترہ، بیروت ۱۹۵۸ء ص ۱۲۷

۲۰ شعراء النصرانیہ، شیخو، بیروت ۱۸۹۰ء، ص ۸۳۸

۲۱ دیوان عنترہ، ص ۱۴۶

۲۲ دیوان مع شرح ابوبکر الوزیر مصر ۱۳۰۸ھ ص ۱۴۰

۲۳ الشعر والشعراء لابن قتیبہ، تحقیق احمد محمد شاکر، قاہرہ ۱۳۶۴ھ، ص ۶۱، شعراء النصرانیہ، شیخو، ص ۵۷

۲۴ دیوان، ص ۲-۳، شعراء النصرانیہ، شیخو، ص ۹-۱۰

۲۵ Montgomery Watt, Free will and pre-determination in early Islam, 1948, p. 20; R. Levy Sociology of Islam, 1933, vol. II, pp. 36-59; Montgomery The Early Development of Mohammadanism, London, 1926, p. 46; Marcus Dods D.D., Mohammad Buddha and Christ, p. 54.

۲۶ المفضلیات، تحقیق احمد محمد شاکر، عبدالسلام ہارون، مصر، ۱۳۶۱ھ ۲: ۱۸۴

۲۷ تاج العروس تحت مادہ حکم ۸: ۲۵۸

۲۸ الشہاب الراصد، تحقیق محمد لطفی جمعہ، مصر، ۱۹۲۶ء، ص ۷۴

۲۹ بلوغ الادب، سید محمود شکری آلوسی، الطبقۃ الثانیہ، مصر، ۱: ۲۳۱ واقعہ کی تفصیل کے لیے بلوغ الادب کے علاوہ ملاحظہ ہو قصص العرب، جاد مولی، ۳: ۳۴۸-۳۵۱

۳۰ طبقات الامم، ص ۴۴

۳۱ Theodore Noeldeke, Article on Arabs (Ancient), in The Hastings Encyclopedia of Religion and Ethics

جس کا ذکر کتاب الاصنام للکلبی ص ۱۰۱ پر آیا ہے۔

۳۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون عرب جاہلیت کے اخلاقی تصورات، برہان، دہلی، فروری ۱۹۶۵ء، ص ۶۹ تا ۸۵

۳۳ھ ابو صخر الهذلی کے ذیل کے اشعار اس اسلوب بیان کی واضح مثال ہیں :

اما والذی ابکی واضحك والذی — امات واحیا والذی امره الامر

لقد ترکتنی احسد الوحش ان اری — الیفین منها لا یروعها الذعر

فیا حبذا زدنی جوی کل لیلة — ویا سلوة الایام موعدك الحشر

عجبت لسعی الدهر بینی وبینها — فلما انقضی ما بیننا سکن الدهر

وما هو الا ان اراها فجاءة — فابهت لا عرف لدی ولا نکر

حماسہ کے شارح نے تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: فسعی الدهر هنا کنایة عن سرعة تقضی اوقات
الوصال وسکونه کنایة عن استطالة ایام الفراق قال التبریزی وهذا احسن الوجوه فی
(حماسہ ابو تمام ۲ : ۶۱)

۳۴ھ دیوان لبید، لائیڈن : ۱۲

۳۵ھ المفضلیات تحقیق حسن السندوبی ۱۹۲۶ء ص ۱۸۳-۱۸۴ ۳۶ھ دیوان المکتبة الاهلیة، بیروت ۱۳۲۴ھ

۳۷ھ جمهرة اشعار العرب لابی زید القرشی، مصر، ۱۹۲۶ء ص ۲۸۵

۳۸ھ دیوان، لائیڈن، ص ۲۸ ـــ ابن قتیبہ نے لبید کی طرف اس شعر کی نسبت میں شبہ کا اظہار کیا ہے، لیکن احمد محمد شاکر نے اس کی تنقید پر جرح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ شعر لبید ہی کا ہے، ملاحظہ ہو الشعر والشعراء ص ۲۳۲ -

۳۹ھ دیوان، لائیڈن، ص ۳۳ ۴۰ھ الصبح المنیر ص ۱۰۵

۴۱ھ ایضاً، ص ۱۰۳ ۴۲ھ دیوان :

۴۳ھ تاج العروس تحت مادہ حمم ۸ : ۲۵۸

۴۴ھ Montgomery Watt, Fre Will and Predetermination in Early Islam, p. 28; Moreus Dods D.D. Christ, Buddha and Mohammad, pp. 52, 54.

۴۵ھ الفتوة عند العرب، عمر الدسوقی، مکتبہ نهضة مصر، ۱۹۵۹ء ص ۲۴ ۴۶ھ ایضاً، ص ۲۵

۴۷ھ العقد الثمین، لندن ۱۸۷۰ء ص ۱۸۴ ۴۸ھ دیوان، ولمنا، ص ۵۶

۴۹ھ جمهرة اشعار العرب، ص ۲۹۵ ۵۰ھ حماسہ ابو تمام، جلد ۲، ص ۲۲

۵۱ھ دیوان، بیروت، ۱۳۲۲ھ، ص ۲۸ ۵۲ھ حماسہ ابو تمام، جلد ۱، ص ۲۶